بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

کانگریس ہائی کمانڈ نے ملک کی اقلیتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی کہ اقلیتوں میں کانگریس سے عموماً اور حکومت سے خصوصاً جو بددلی اور بیزاری پیدا ہوتی جا رہی ہے اس کے وجوہ و اسباب کا پتہ لگایا جائے تاکہ پھر ان کی تلافی کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ اس وقت یہ اقدام اس لئے ہے کہ جنرل الیکشن کا زمانہ قریب آ رہا ہے اور کانگریس اور حکومت کو اس کے لئے اپنے حق میں فضا کو سازگار اور موافق کرنے کا کام ابھی سے کرنا ہے۔ تاہم کوئی اچھی بات جب بھی کی جائے اچھی ہے اور اس سے جتنا فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اٹھانا چاہیئے، اس بنا پر جہاں تک مسلمان اقلیت کا تعلق ہے ہم اس سلسلہ میں چند باتیں بالکل صاف کہدینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت مسلمان عام طور پر کانگریس سے بھی بیزار ہیں اور حکومت سے بھی کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔ اس کے اسباب بعض تو وہ ہیں جن کا تعلق خاص مسلمانوں کے ساتھ ہے اور بعض وہ ہیں جو مسلمانوں اور برادرانِ وطن دونوں میں مشترک ہیں۔ اوّل الذکر اسباب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک ایسا ملک جس میں مختلف مذہبوں اور ملتوں کے لوگ آباد ہوں اس کے لئے سکولر طرزِ حکومت سے بہتر کوئی دوسرا طرز اور کوئی دوسرا نظام نہیں ہو سکتا۔ لیکن شکایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں اس سکولرزم پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور ان کے ساتھ جو برتاؤ جا رہا ہے وہ اس برتاؤ سے بڑی حد تک مختلف ہے جو ملک کی اکثریت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پولیس فوج کی ملازمتوں میں خصوصاً اور دوسری چھوٹی بڑی ملازمتوں میں عموماً تناسبِ آبادی کے لحاظ مسلمانوں کا حصہ کتنا ہے؟ مرکزی اور ریاستی امتحاناتِ مقابلہ میں جو طلباء کامیاب قرار دیئے ان میں مسلمان طلبا کتنے ہوتے ہیں؟ انجینئرنگ کالجوں، میڈیکل کالجوں اور ٹیکنیکل ایجوکیشن کے اداروں میں

جووظائف دیئے جاتے

سلمان طلبار کو داخلہ ملتا ہے ؟ بیرونی ممالک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے جو وظائف دیئے جاتے ہیں ان میں مسلمان نوجوانوں کا کتنا حصہ ہوتا ہے؟ پھر کاروبار میں اُن کی حوصلہ افزائی کا سامان کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں ان کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں اُن کو کہاں تک حل کیا جاتا ہے، کہیں اگر فرقہ وارانہ فساد ہوجاتا ہے تو پولیس کا عام سلوک ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے ؟ فساد میں مسلمانوں کو جو جانی اور مالی نقصانات پہونچتے ہیں اُن کی تلافی کا کیا بندوبست کیا جاتا ہے

یہ چند در چند سوالات ہیں جو مسلمانوں کو پریشان کئے ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ تو خیر ہے ہی، مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت یہ احساس ہے کہ اگرچہ ملک کا دستورِ حکومت سیکولر ہے لیکن در پردہ اسلامی عقائد کو بگاڑنے (INDOCTRINTION) پر عمل کیا جا رہا ہے اُن کے بچوں اور بچیوں کو اسکولوں میں مختلف مضامین کی جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں ان میں ہندو مذہب، ہندو روایات اور ہندو علم الاصنام کی تعلیم دی جا رہی ہے اسکولوں میں جو ماحول بن رہا ہے وہ ہندو مذہبی ماحول ہے اور مسلمان بچوں پر اس کا اثر یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب سے ناواقف، اپنے کلچر سے بے خبر اور اپنی روایات سے ناآشنا بنتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر لیل و نہار یہی رہے تو پندرہ بیس برس کے اندر اندر یہ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اسلام سے بالکل محروم ہوجائیں گے۔ ان کو ایک طرف ہندی کا پڑھنا ناگزیر ہے اور وہ یقیناً ان کو پڑھنی چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی بعض ریاستوں میں سنسکرت بھی لازمی کردی گئی ہے اب مسلمان بچوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ان دو دو زبانوں کے ساتھ اپنی کلچرل زبانیں بھی پڑھتے ہیں تو اُن پر کئی کئی رنگ برنگ کی زبانوں کے سیکھنے کا بوجھ اس قدر پڑتا ہے کہ وہ دوسرے مضامین پر پوری توجہ نہیں کر سکتے اور اس صورت میں لازمی طور پر وہ اپنے ساتھی بچوں سے تعلیم میں پیچھے رہ جائیں گے اور اگر ہندی اور سنسکرت کی تعلیم کی وجہ سے اپنی کلچرل زبانیں نہ سیکھ سکے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے کلچر سے محروم رہیں گے۔ غرض کہ مسلمان اس وقت

دوگونہ رنج و عذابست جانِ مجنوں را

میں مبتلا ہیں۔ علاوہ ازیں عام سماجی اور معاشرتی زندگی میں کیا حال ہے ؟ مسلمانوں کے مذہب اور ان کی روایات پر بعض فرقہ پرست لیڈر تقریریں کرتے ہیں، اسلامی تاریخ پر غلاظت اور گندگی اچھالتے ہیں۔ مہا سبھائی اور سنگھی اخبارات مسلمانوں کے لئے دل آزار مضامین شائع کرتے ہیں، اپنے جلسوں میں مسلمانوں سے متعلق نفرت انگیز تجاویز منظور کرتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے احتجاج اور مسلم زعمار کے توجہ دلانے کے باوجود حکومت اس سلسلہ میں کوئی

کارروائی نہیں کرتی ان سب چیزوں کا مجموعی طور پر نفسیاتی اثر یہ ہے کہ مسلمانوں کے نیم شعوری دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ حکومت اور ملک صرف ہندوؤں کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے بھی ہیں لیکن عملاً معاملہ یہ ہے کہ :

ساغر اُن کا ساقی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا

جہاں تک مسلمانوں کے اپنے اندرونی جذبات کا تعلق ہے تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ مسلمان اس ملک کو اپنا وطن کرتے ہیں یہاں کے در و دیوار سے اُن کو محبت ہے اور جس طرح انھوں نے ہمیشہ اس کی خدمت کی ہے اسی طرح اب بھی وہ اس کی خدمت کرنے کا بڑا ولولہ اور جذبہ رکھتے ہیں۔ اس ملک کے گوشہ گوشہ میں اُن کے بزرگوں کی ہڈیاں دفن ہیں جگہ جگہ اُن کے اسلاف کی یادگاریں قائم ہیں اس لئے وہ اس ملک میں جینے اور مرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کو خود اعتمادی حاصل نہیں ہے جو کسی خدمت کے لئے شرط اول ہے ان کو کانگریس اور حکومت کے بعض اکابر سے اور خصوصاً وزیر اعظم جواہر لال نہرو سے نہ صرف عقیدت و ارادت کا تعلق ہے بلکہ طبعی محبت بھی ہے لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کانگریس پر بحیثیت مجموعی اب ان لوگوں کا قبضہ ہے جو کانگریس کی اصل آئیڈیالوجی کے حامل نہیں ہیں اور جن کا دماغ مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہے اور جواہر لال اور بعض اور اکابر حکومت و کانگریس بھی اس اکثریت کے سامنے بے بس ہیں کہ وہ عزم و قوت کے ساتھ مسلمانوں کی شکایات کو خاطر خواہ طور پر رفع کرنے کا سامان نہیں کر سکتے۔ کسی ملک میں اور اس کی حکومت میں اسوقت تک استحکام اور مضبوطی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس ملک کے تمام فرقوں میں یکجہتی ہم آہنگی اور حکومت کے متعلق احساس یگانگت نہ ہو۔ اس بنا پر سطور بالا میں ان جذبات و احساسات کو صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے جو آج کل کانگریس اور حکومت سے متعلق مسلمانوں کے دل میں پائے جاتے ہیں۔ اب اگر واقعی کانگریس اور حکومت مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کوئی قدم اٹھانا چاہتی ہے تو اس کو مسلم عوام سے رابطہ پیدا کر کے ان کی شکایات خود اُن کی زبانی سننی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں اُردو اخبارات بڑے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں جہاں تک دستور ملکی کا تعلق ہے مسلمانوں کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہے دوسرے ابنائے وطن کی طرح انھوں نے بھی اس کو بڑی خوشی سے قبول کیا ہے البتہ شکایت جو کچھ ہے وہ صرف یہ ہے کہ دستور کی اسپرٹ اور اس کے مفاد پر اخلاص و دیانت سے عمل نہیں ہو رہا ہے ؎ اب جمع ہیں احباب حالِ دل کہہ لے :: پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

افسوس ہے گذشتہ مہینہ مولانا مفتی عبداللطیف صاحب کا علی گڈھ میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم عوام میں مشہور نہ تھے لیکن اہل علم کے حلقہ میں بڑی بلند شخصیت رکھتے تھے، اُستاذ العلماء مولانا لطف اللہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ علوم دینیہ میں بڑی پختہ استعداد اور ایک خاص درک و بصیرت کے مالک تھے سالہا سال جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں شعبہ دینیات کے صدر رہے وہاں سے سبکدوش ہو کر علی گڈھ آ گئے اور یہاں بھی یہی خدمت انجام دینے لگے آخر اس سے بھی سبکدوش ہو کر خانہ نشین ہو گئے مگر مطالعہ اور درس کا شغل آخر تک جاری رہا۔ چھوٹے بڑے چند رسالے اور دو ایک کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اٹھاسی برس کی عمر میں وفات پائی مگر قوی خاص طور پر دماغ آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ باطنی احوال و کوائف سے بھی نا آشنا نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کی بیش از بیش نعمتوں سے سرفراز فرمائے آمین۔